# میدانِ شاملی و تھانہ بھون
# اور
# سرفروشانِ اسلام

# قصبہ شاملی کی جھڑپ کا اصل واقعہ

شاملی اور تھانہ بھون (سہارن پور) کا اصل واقعہ جسے بہت بڑا معرکہ اور جنگ آزادی کا سنگِ میل وغیرہ وغیرہ کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر علما و قائدین انقلاب ۱۸۵۷ء کی صف اول میں مولانا محمد قاسم نانوتوی و مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ کا نام درج کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی لکھتے:

''بہر حال! مسلمان علماء میں سے مولانا احمد اللہ شاہ دلاور جنگ مدراسی اور مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی اور مولوی امام بخش صاحب صہبائی، مفتی صدرالدین صاحب آزردہ صدر الصدور، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد صاحب بدایونی، مولوی عبدالقادر صاحب، مولوی وزیر خاں اکبر آبادی، سید مبارک شاہ رام پوری، مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی، سید اسمٰعیل صاحب منیر شکوہ آبادی، مفتی مظہر کریم صاحب دریابادی، مولانا لیاقت علی صاحب الہ آبادی، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی، حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی، اور ان حضرت کے تلامیذ وغیرہ نے جہادِ حریت ۱۸۵۷ء میں بڑے پیمانے پر حصہ لیا تھا۔

جنرل بخت خاں صاحب، ڈاکٹر وزیر خاں صاحب، مولوی فیض احمد صاحب (بدایونی) مع اپنے ماتحتوں اور فوجیوں کے حالت خطرناک دیکھ کر دہلی سے نکل کر لکھنؤ چلے گئے تھے اور مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے اور وہاں انگریزی فوج سے خوب مقابلے کیے مگر اپنوں ہی کی غداری سے شکست کھانی پڑی اس لئے جب حالت خطرناک دیکھی تو شاہجہاں پور کو روانہ ہو گئے اور محمدی پور میں اسلامی حکومت قائم کر لی۔ الخ (ص ٦٦، ٦٧۔ حصہ دوم نقشِ حیات)

سوانحِ مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ/ اگست ۱۹۰۵ء) بنام تذکرۃ الرشید میں معروف دیوبندی عالم مولانا عاشق الٰہی میرٹھی (متولد ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء۔ متوفی ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء) نے ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء ہی میں قصبہ شاملی کی جھڑپ کا اصل واقعہ لکھ کر شایع کر دیا تھا۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے اپنے ممدوح امام ربانی کا نام حمد وصلوٰۃ کے بعد بڑی عقیدت کے ساتھ اس طرح لکھا ہے:

> ’’قطب العالم، قدوۃ العلماء، غوث الاعظم، اسوۃ الفقہا، جامع الفضایل و الفواضل العلیہ، مستجمع الصفات والخصایل البھیۃ السنیہ، حامی دین مبین، مجدد زمان، وسیلتنا الی اللہ الصمد الذی لم یلد ولم یولد، شیخ المشائخ، مولانا الحافظ الحاج المولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہ العزیز‘‘۔
> (ص:۲۔ تذکرۃ الرشید حصہ اول از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مکتبہ خلیلیہ متصل مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، یوپی)

آگے چل کر مولانا میرٹھی نے جہاں جہاں سرکار لکھا ہے اس سے مراد انگریزی حکومت اور مفسدوں و بندوقچیوں و باغیوں سے مراد انگریز مخالف عوام ہیں۔ اور جہاں جہاں حضرت مولانا و امام ربانی لکھا ہے اس سے ان کی مراد مولانا رشید احمد گنگوہی اور اعلیٰ حضرت سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی مراد ہیں۔ تذکرۃ الرشید کے دونوں حصوں میں حاجی صاحب کو جا بہ جا اعلیٰ حضرت لکھا گیا ہے۔ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری نے بھی اس کتاب کے جملہ اوراق قبل طبع پڑھ لیے تھے جیسا کہ حصہ دوم تذکرۃ الرشید کے آخری صفحہ پر اس کی صراحت ہے۔ آگے ہم بلا تبصرہ ساری عبارتیں تذکرۃ الرشید سے نقل کر رہے ہیں جنھیں پڑھ کر قارئین کو خود ہی سمجھ میں آجائے گا کہ قصبہ شاملی کی جھڑپ کا اصل واقعہ اور اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟

قاضی سعادت علی خاں پسر نجابت علی رئیس اعظم زمیندار تھانہ بھون کے دو بیٹے تھے قاضی عنایت علی اور قاضی عبد الرحیم۔ ایک بار قاضی عبد الرحیم مع چند احباب ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے دوران سہارن پور کی ایک سرائے میں کسی دوست کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک مخالف بنیا نے پنکھی صاحب انگریز سے جو باغیوں کی سرکوبی کے لئے ضلع سہارن پور میں متعین تھا اس سے

جھوٹی شکایت کردی کہ تھانہ بھون کا رئیس کمپنی کا باغی ہوگیا ہے اور اس کا بھائی دہلی کمک بھیجنے کے لئے یہاں ہاتھی خریدنے آیا ہے۔ رئیس کے کچھ دوسرے دشمنوں نے بھی یہ افواہ پھیلادی جس کی بنیاد پر فوج کی ایک ٹکڑی نے قاضی عبدالرحیم خاں کو مع ہمراہیان گرفتار کر کے جیل بھیج دیا اور بغاوت کے الزام میں انھیں پھانسی دے دی گئی۔ قاضی عنایت علی اپنے بھائی کی پھانسی کی خبر سن کر جوش انتقام میں کچھ فوجیوں کو جو سہارن پور سے کیرانہ کی طرف جارہے تھے ان کا تعاقب کیا اور مال واسباب لوٹ لیا۔ ایک فوجی زخمی ہوکر بھاگا اور گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اس فساد کی خبر مظفر نگر پہنچی تو حاکم ضلع نے تھانہ بھون پر فوج کشی کا حکم دے دیا جس پر قاضی عنایت علی نے کھلم کھلا علم فساد بلند کیا۔ چنانچہ شاملی کی طرف انگریزی فوج جانے کی جھوٹی خبر کا نقارہ بجا اور جتھہ کا جتھہ تحصیل شاملی پر چڑھ دوڑا۔

گورنمنٹ کے اہل کارانِ تحصیل کے مارے جانے اور خزانہ لوٹے جانے کی خبر پا کر حاکم شاملی پہنچا اور نعشوں اور قصبہ کی بربادی دیکھ کر غم وغصہ میں اس نے کہا کہ تھانہ بھون بھی اسی طرح مسمار کر کے چھوڑوں گا۔ چند ماہ بعد جب دہلی کو انگریزوں نے فتح کیا اور ان کے شاملی آنے کی خبر گرم ہوئی تو لوگ ڈر کے مارے ادھر ادھر فرار ہونے لگے اور قاضی عنایت علی بھی ہمراہیوں کے ساتھ نجیب آباد کی طرف نکل بھاگے اور وہاں سے خدا جانے کہاں گئے اور کیا ہوا کچھ پتہ نہیں چلا۔ جب فوج تھانہ بھون پہنچی تو اس نے قتل وقتال کیا اور مکانات کو آگ لگادی۔ (تلخیص حاشیہ۔ ص ۷۴۔ تذکرۃ الرشید اول)

اسی سلسلے میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی بعنوان ''الزام بغاوت اور اس کی کیفیت'' لکھتے ہیں:

کیا ظلم وستم ہے کہ مسیحائے جہاں کو　　افساد وستم پیشہ و سفّاک کہا جائے
جو گوشہ نشیں خود ہی گرفتار محن ہو　　کس منہ سے اُسے مفسد و چالاک کہا جائے

شروع ۱۲۷۶ھ ہجری نبوی ۱۸۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی۔ اِس وحشتناک قصہ کا بقدرِ ضرورت تذکرہ بھی چوں کہ سوانح کا جزو لازم ہے اس لئے مناسب ہے کہ ابتداء واقعہ سے لے کر انتہا تک اجمالی بیان کردیا جائے۔

رمضان ۱۲۷۳ھ یعنی مئی ۱۸۵۷ء کا وہ طوفان جس کے تصور سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے ہندوستان کیا بلکہ دنیا بھر میں ایسا مشہور ومعروف ہے کہ شاید دوسرا نہ ہو۔ سلطنت مغلیہ کا آخری دَور اور لبریز ہو جانے والے پیمانہ شاہی کا پہلا منظر یعنی بدنصیب خانماں برباد بہادر شاہ ظفر پادشاہ دہلی کا وہ بلاخیز سماں تھا جس میں کارتوسوں پر چربی لپیٹے جانے کی جھوٹی افواہ اُڑی اور غدر برپا کرنے کے چُھپے کُھلے مجمعوں میں چرچے شروع ہوئے تھے۔

تباہ ہونے والی رعایا کی نحوستِ تقدیر نے اُن کو جو کچھ بھی سجھایا اُس کا انھوں نے نتیجہ دیکھا اور ان کی نسل دیکھ رہی ہے۔

جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انھوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔ فوجیں باغی ہوئیں۔ حاکم کی نافرمان بنیں۔ قتل وقتال کا بند بازار کھولا اور جواں مردی کے غرّہ میں اپنے پیروں پر خود کلہاڑیاں ماریں۔

اس بھیانک منظر میں ہزارہا بندگان خدا ناکردہ گناہ بھی پھانسی چڑھائے گئے جن کے بچے یتیم اور بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ اطراف کے شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں بدنامی پھیل گئی۔ حاکم کے انتظام کا اُٹھنا تھا کہ باہم رعایا میں برسوں کی دبی ہوئی عداوت نکلنے اور خدا جانے کس کس زمانہ کے انتقام لینے کا وقت آ گیا کہ جدھر دیکھو مار پیٹ اور جس محل پر نظر کرو معرکہ آرائی و جنگ۔

اسی بلاخیز قصہ میں تھانہ بھون کا وہ فساد واقع ہوا جس میں قاضی محبوب علی خاں کی مخبری سے حضرت مولانا پر مقدمہ قائم ہوا جس کی ابتدا یہ تھی کہ تھانہ بھون کے رئیس قاضی عنایت علی خان کا چھوٹا بھائی عبدالرحیم خاں چند ہاتھی خریدنے سہارن پور گیا۔ وہاں اس آفت رسیدہ کا کوئی بنیا قدیمی دشمن کئی دن سے ٹھہرا ہوا تھا جس کو زمین دارانہ تخمصات میں عبدالرحیم کے ساتھ خاص عداوت تھی۔ دشمن نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً حاکم ضلع سے جا رپورٹ کی۔ فلاں رئیس بھی باغی و مفسد ہے۔ چنانچہ دہلی میں کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے سہارن پور آیا ہوا ہے۔ زمانہ تھا اندیشہ ناک اور احتیاط کا اُسی وقت دوڑ گئی اور رئیس گرفتار ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پھانسی ہوئی اور تھانہ بھون کے نیک دل سرکاری خیر خواہ زمین دار کو مظلوم بھائی سے دنیا میں ہمیشہ کے لئے جُدا ہو جانے کی خبر ملی۔

اس بدنامی کی حالت میں جس کو قصہ کی اصلیت ظاہر کرنے کے لئے مختصراً الفاظ میں حاشیہ پر درج کر دیا گیا ہے۔ عام باشندگان قصبہ کی یہ حالت ہوئی گویا ان کا مربی پادشاہ سر سے اٹھ گیا اور شرعی و طبعی ضروریات و تخمصات میں بھی کوئی خبر گیراں نہ رہا جس کی رائے پر عمل کریں۔

پس یہ لوگ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بلا کسی حاکم کی سرپرستی کے گذران دشوار ہے۔ گورنمنٹ نے باغیوں کی بغاوت کے باعث اپنا امن اٹھالیا اور بذریعۂ اشتہار عام اطلاع دی ہے کہ اپنی اپنی حفاظت ہر شخص کو خود کرنی چاہیے۔ اس لئے آپ چوں کہ ہمارے دینی سردار ہیں اس لئے دنیاوی نظم حکومت کا بھی بار اپنے سر رکھیں اور امیرالمومنین بن کر ہمارے باہمی قضیے چکا دیا کریں۔

اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کو ان کی درخواست کے موافق اِن کے سروں پر ہاتھ رکھنا پڑا اور آپ نے دیوانی وفوجداری کے جملہ مقدمات شرعی فیصلہ کے موافق چند روز تک قاضی شرع بن کر فیصل بھی فرمائے۔ اِسی قصہ نے مفسدوں میں شریک ہونے کی راہ چلائی اور مخبروں کو جھوٹی سچی مخبری کا موقع دیا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ دس برس ہوئے اعلیحضرت کو اپنے دین و دنیا کا سردار بنا ہی چکے تھے۔ ہمیشہ آمد و رفت رہتی ہی تھی۔ اب جب کہ ہر چہار طرف بدامنی تھی آپ کے لئے یہاں حاضر رہنے سے زیادہ بہتر کوئی جگہ دنیا میں نہ تھی۔ ادھر اعلیحضرت کو حکومت کے فیصلے اور شرعی قضا میں مولوی کی ضرورت تھی کہ حق بات میں اعانت کرتا رہے اس لئے آپ اور مولانا محمد قاسم صاحب معہ دیگر خدام کے یہیں رہ پڑے۔

اِتنی بات یقینی ہے کہ اُس گھبراہٹ کے زمانہ میں جب کہ عام لوگ بند کواڑوں میں گھر میں بیٹھے ہوئے کانپتے تھے حضرت امام ربانی اور نیز دیگر حضرات اپنے کاروبار نہایت ہی اطمینان کے ساتھ انجام دیتے اور جس شغل میں اس سے قبل مصروف تھے بدستور ان کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ کبھی ذرہ بھر اضطراب نہیں پیدا ہوا اور کسی وقت حبّہ برابر تشویش لاحق نہیں ہوئی۔ آپ کو اور آپ کے مختصر مجمع کو جب کسی ضرورت کے لئے شاملی، کیرانہ یا مظفرنگر جانے کی ضرورت ہوئی غایت درجہ سکون و وقار کے ساتھ گئے اور طمانیت قلبی کے ساتھ واپس ہوئے۔

ان ایام میں آپ کو ان مفسدوں سے مقابلہ بھی کرنا پڑا جو غول کے غول پھرتے تھے۔ حفاظت جان کے لئے تلوار البتہ پاس رکھتے تھے اور گولیوں کی بوچھار میں بہادر شیر کی طرح نکلے چلے آتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربّانی اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلیحضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ یہ نبرد آزما دلیر جتھہ اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔ اِس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کرڈٹ گیا اور سرکار پر جاں نثاری کے لئے طیار ہوگیا۔ اللہ رے شجاعت و جواں مردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہوجائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لیے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں۔ چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے۔

حضرت مولانا قاسم العلوم ایک مرتبہ یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ جس نے دیکھا جانا کہ کنپٹی میں گولی لگی اور دماغ پار کر کے نکل گئی۔ اعلیحضرت نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "کیا ہوا؟ میاں" عمامہ اتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون سے تمام کپڑے تر۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کو خادمانہ و مریدانہ تعلق پر اعلیحضرت کے ساتھ جو کچھ وابستگی تھی وہ تھی ہی مگر چچا پیر حافظ ضامن صاحب کے ساتھ بھی نہایت ہی درجہ مخلصانہ اُنس تھا اور حافظ صاحب بھی مولانا کے گویا جاں دادہ عاشق تھے۔ اُسی گھمسان میدان میں مولانا کو پاس بُلایا اور فرمایا "میاں رشید! میرا دم نکلے تو تم میرے پاس ضرور رہنا" تھوڑی دیر گذری تھی کہ حافظ صاحب دھم سے زمین پر گرے۔ معلوم ہوا کہ گولی کاری لگی اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہوا۔ حافظ صاحب کا زخم سے چور ہوکر گرنا تھا اور حضرت امام ربّانی کا لپک کر تڑپتی نعش کا کاندھے پر اٹھانا۔ قریب کی مسجد میں لائے اور حضرت کا سر اپنے زانو پر رکھ کر تلاوت قرآن میں مشغول ہوگئے۔

دیکھنے والوں سے سُنا ہے کہ حضرت مولانا کی اِس مردانگی پر تعجب تھا کہ کس اطمینان کے ساتھ سنسان مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے اپنے نور دیدہ چچا کے سفر آخرت کا سماں دیکھ رہے اور اپنے

عاشق محبوب کی نزع کا آخری وقت نظارہ کر رہے تھے۔ آنکھوں میں آنسو تھے اور زبان پر کلام اللہ یہاں تک کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کے زانو پر سر رکھے رکھے وصال ہو گیا اور حضرت مولانا چچا کی وصیت کو پورا کرنے کے باعث مسرور ہو کر بااطمینان اٹھ کھڑے ہوئے۔ بزرگوں سے سُنا ہے کہ حضرت حافظ صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تمامی نسبت حضرت قدس سرہ کی طرف منتقل ہوئی۔ ذلک فضل اللّٰہ یو تیہ من یشاء۔

اللہ اللہ! جس بزرگ نے دس برس ہوئے اعلیحضرت سے سفارش کر کے حضرت مولانا کو بیعت کرایا اور اعانت کے ایک کلمۃ الخیر سے ہمدردی ظاہر فرمائی تھی وہ قدسی نفس مرید آخری وقت میں اُس آخری خدمت کو انجام دینے کے لئے قدرت کی طرف سے تجویز ہوا تھا جس میں نہ کوئی پاس تھا نہ قریب، یگانہ تھا نہ بیگانہ۔ آخر جب مفسدوں کی معرکہ آرائی سے پیچھا چھٹا تو حضرت اپنے شہید وفا روحانی مربی کی نعش کو کاندھے پر لے کر اٹھے اور چارپائی پر لٹا کر یکے بعد دیگرے تھانہ بھون میں بسمت مغرب زمین کی گود کے حوالہ کیا۔

جب بغاوت وفساد کا قصہ فرو ہوا اور رحم دل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بُزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیرخواہ اپنے کو ظاہر کریں انھوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا اور یہ مخبری کی کہ تھانہ بھون کے فساد میں اصل الاصول یہی لوگ تھے اور شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والا یہی گروہ تھا۔ بستی کی دوکانوں کے چھپر انھوں نے تحصیل کے دروازہ پر جمع کیے اور اُس میں آگ لگادی یہاں تک کہ جس وقت آدھے کواڑ جل گئے ابھی آگ بجھنے بھی نہ پائی تھی کہ اِن نڈر ملانوں نے جلتی آگ میں قدم بڑھائے اور بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھس کر خزانہ سرکار کو لوٹا تھا۔

حالاں کہ یہ کمل پوش، فاقہ کش، نفس کُش حضرات فسادوں سے کوسوں دور تھے۔ ملک و مال کے جھگڑے اگر سر رکھتے تو یہ صورت ہی کیوں ہوتی؟ کوئی کہیں کا ڈپٹی ہوتا اور کوئی کسی جگہ کا صدر الصدور۔ کچہری کے عالی شان کمرے اور عدالت کے وسیع اور اونچی چھتوں والے مکانات کو چھوڑ کر قبر کی تنگی یاد دلانے والے حجروں اور کھرّے بوریہ کے فرش والے تاریک

گوشوں میں کیوں پڑتے؟ مگر:

کون سنتا ہے کہانی میری
اور پھر وہ بھی زبانی میری

بڑی مصیبت یہ تھی کہ حکّام کے سامنے جانے کا بھی ان کو اتفاق نہیں ہوا۔ ملزم و مجرم بننے کا موقع ہی نہیں ملا کہ برأت اور صفائی کا طریقہ معلوم ہو۔ نہ اتنی دنیاوی عزت کہ جس کا کوئی لحاظ کرے۔ نہ وہ چھل بل اور بے تکان لسّانی کہ جس کا پاس ہو۔ نہ پاس روپیہ کہ بذریعۂ وکالت اس الزام کو اٹھائیں اور خرچ کریں۔ نہ ایسی اندھی جنگ بغاوت کبھی دیکھی یا سنی کہ جس کے نتیجہ سے کچھ بھی واقفیت ہو۔ آخر بادل دردمند اپنے مالک جل وعلیٰ شانہ کی طرف متوجہ ہوئے اور جو حکم غیب سے صادر ہو اُس پر کاربند ہونے کے منتظر و آمادہ۔

حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ سچ سچ ہو کر رہا اور جھوٹ جھوٹ۔ اِن حضرات پر اتہام کا بحمد اللہ کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوا گو خدائی آزمایش میں جھڑ جھڑائے گئے۔ پریشانیاں اٹھائیں، کوفت سہی، روپوش رہے مگر انجام کار حق کو غلبہ ہوا اور ''دودھ کا دودھ پانی کا پانی'' ان پاک نفوس اور ملکوتی صفات بدنوں پر آنچ نہ آئی۔

اعلیٰحضرت قدس سرہ نے اسی قصہ میں اپنے شیدائی بچوں یعنی مولانا قاسم العلوم اور خلف الرشید امام ربانی کو الوداع کہا کہ اب ارض ہند میں یک جائی فلک کو ناگوار ہے۔ اور یہ دونوں لاڈلے بچے اپنے غم خوار روحانی باپ سے بادل ناخواستہ تن بہ تقدیر رخصت ہوئے۔ اعلیٰحضرت نے چند ماہ انبالہ تگری پنجلاسہ وغیرہا مواضع و قصبات میں اپنے آپ کو چھپایا اور آخر براہ سندھ و کراچی عرب کا راستہ لیا۔ ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا اور جہاز پر سوار ہو کر مکہ معظّمہ پہنچے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند اور امام ربانی قدس سرہ نے گنگوہ مراجعت فرمائی۔

انہیں ایام روپوشی میں مولانا قاسم العلوم کو املیا گمتھلہ، لاڈوہ، پنجلاسہ اور جمنا پار کئی دفعہ آنے جانے کا اتفاق ہوا اور امام ربانی قدس سرہ نے قیام زیادہ تر گنگوہ یا رامپور میں کیا مگر اپنے

ہادی برحق کی ہندوستان میں آخری زیارت کے شوق سے بے تاب ہوکر انبالہ، تگری اور پنجلاسہ کے سفر کو اٹھے اور مستور الحال مخفی طور پر اس حق کو ادا فرما کر واپس وطن ہوئے۔ اِس زمانہ کی کیفیات ایسی عجیب وغریب گذری ہیں کہ اگر کھلی کرامتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جائے تو کئی ورق چاہئیں۔ اس لئے ان کو تفصیلاً چھوڑتا ہوں اور ضروری مضمون پر اکتفا کرتا ہوں۔

تینوں حضرات کے نام چوں کہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے اور گرفتار کنندہ کے لئے صلہ تجویز ہو چکا تھا اس لئے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ ودو میں پھرتے تھے۔

اعلحضرت نے وطن کو خیر باد کہا اور بہ نیت حرمین گھر سے باہر نکلے۔ چوں کہ مولانا گنگوہی سے زیادہ تعلق تھا اس لئے آخری ملاقات ہند کے لئے گنگوہ تشریف لائے۔ اس وقت حضرت مولانا قدس سرہ کی عفت مآب صاحبزادی یعنی حافظ محمد یعقوب صاحب کی والدہ ماجدہ کی عمر دو سال کی تھی۔

جس وقت پنجلاسہ ضلع انبالہ میں پہنچے ہیں تو راؤ عبداللہ خان رئیس کے اصطبلِ اسپان کی ویران وتاریک کوٹھری میں مقیم تھے۔ ایک روز اُسی کوٹھری میں وضو فرما کر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصلی بچھایا اور جاں نثار حضار جلسہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جائیں میں نفلیں پڑھ لوں۔ راؤ عبداللہ خاں اعلحضرت کے بڑے جاں نثار خادم اور مشہور مرید ہیں۔ گھر کے خوشحال زمین دار اور سرکار کے نزدیک باوجاہت شخص سمجھے جاتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ اعلحضرت پر جو الزام لگایا گیا ہے اس کے قائم ہوتے اپنا مکان کھول دینا دنیاوی حیثیت سے کس درجہ خطرناک ہے؟ کیوں کہ باغی کی اعانت بھی سرکاری بغاوت میں شمار ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی غلبۂ حب دین اور فرطِ عشق میں اس درجہ مغلوب تھے کہ نہ مال کی پروا تھی نہ جان کی۔ خدا کی شان کہ جس وقت راؤ عبداللہ خاں اعلحضرت کو تحریمہ باندھے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھری سے باہر نکلے اور پٹ بند کر کے اصطبل کے دروازہ کے قریب پہنچے ہیں تو سامنے سے دَوِش کو آتے دیکھا اور ہکّا بکّا ششدر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

خدا جانے مخبر کون اور کس بلا کا پتلہ تھا جس نے عین وقت پر روپوشی کی کوٹھری تک معین کر دی تھی۔ چنانچہ دَوِش اصطبل کے پاس پہنچی اور افسر نے مسکرا کر راؤ صاحب سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ گویا اپنے ناوقت آنے کی وجہ کو چھپایا۔ جہاں دیدہ وتجربہ کار راؤ صاحب دورہی

سے تاڑ گئے تھے کہ ''ایں گل دیگر شگفت'' مگر نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن۔ اپنی جان یا عزت کے جانے ریاست وزمین داری کے ملیا میٹ ہونے اور ہتکڑیاں پڑ کر جیل خانہ پہنچنے یا پھانسی پر چڑھا کر عالم آخرت کا سفر کرنے کی تو مطلق پروانہ تھی اگر فکر و رنج یا حزن و افسوس تھا تو یہ کہ ہائے غلام کے گھر سے اور آقا گرفتار ہو۔ اور عبداللہ خان کی نظر کے سامنے اُس کا جان سے زیادہ عزیز شیخ پا بہ زنجیر کیا جائے؟ مگر اس کے ساتھ ہی راؤ صاحب ایک جواں مرد و مستقل مزاج نہایت دلیر اور قوی القلب راجپوت تھے۔ تشویش کو دل میں دبایا اور چہرہ یا اعضا پر کوئی اثر اضطراب کا محسوس نہ ہونے دیا۔ مسکرا کر جواب دیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

دُوِش کا افسر گھوڑے سے اترا اور یہ کہہ کر ''میں نے آپ کے یہاں ایک گھوڑے کی تعریف سنی ہے اس لئے بلا اطلاع یکا یک آنے کا اتفاق ہوا'' اصطبل کی جانب قدم اٹھائے۔ راؤ صاحب ''بہت اچھا'' کہہ کر ساتھ ساتھ ہو لیے اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیر کرانی شروع کی۔

افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جماتا اور اس درجہ مطمئن پا کر کبھی مخبر کی دروغ گوئی کا غصہ اور گاہے اپنی ناکامی و تکلیف سفر کا افسوس لاتا تھا یہاں تک کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوا حاکم اُس حجرہ کی طرف بڑھا جس میں اعلیٰحضرت کی سکونت کا مخبر نے پورا پتہ دیا تھا اور یہ کہہ کر کہ ''اس کوٹھری میں کیا گھاس بھری جاتی ہے'' اُس کے پٹ کھول دیئے۔

راؤ عبداللہ خاں کی اس وقت جو حالت ہوئی ہوگی وہ انھیں کے دل سے پوچھنا چاہیے۔ سمجھتے تھے کہ تقدیر کے آخری فیصلہ کا وقت آگیا اور اپنا پیمانہ حیات لبریز ہو کر اُچھلا چاہتا ہے اس لئے راضی برضا ہو کر ''جی ہاں'' کہا اور حکم گرفتاری کے منتظر کھڑے ہو گئے۔

خداوندی حفاظت کا کرشمہ دیکھئے کہ جس وقت کوٹھری کا دروازہ کھلا ہے تخت پر مصلّٰی ضرور بچھا ہوا تھا۔ لوٹا رکھا ہوا اور نیچے وضو کا پانی البتہ بکھرا ہوا پڑا تھا مگر اعلیٰحضرت حاجی صاحب کا پتہ بھی نہ تھا۔ افسر متحیر و حیران اور راؤ عبداللہ خاں دل ہی دل میں شیخ کی عجیب کرامت پر فرحاں و شاداں۔ کچھ عجیب سماں تھا کہ حاکم نہ کچھ دریافت کرتا ہے نہ استفسار۔ کبھی اِدھر دیکھتا ہے کبھی اُدھر۔ آخر مخبر کی دھوکہ دہی سمجھ کر بات کو ٹالا اور کہا کہ خانصاحب ''یہ لوٹا کیسا اور پانی کیوں پڑا ہے؟ راؤ صاحب بولے ''جناب اس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں

او روضو میں منہ ہاتھ دھویا کرتے ہیں۔ چنانچہ ابھی آپ کے آنے سے دس منٹ قبل اُسی کی تیاری تھی۔ افسر نے ہنس کر کہا کہ ''آپ لوگوں کی نماز کے لئے تو مسجد ہے یا اصطبل کی کوٹھری؟'' راؤ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ ''جناب مسجد فرض نماز کے لئے ہے اور نفل نماز ایسی ہی چھپی جگہ پڑھی جاتی ہے جہاں کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔''

لاجواب جواب سُن کر افسر نے پٹ بند کردیئے اور اصطبل کے چاروں طرف غایر نظر دوڑانے کے بعد باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہوکر یہ کلمات کہہ کر رخصت ہوا ''راؤ صاحب معاف کیجیے آپ کو اس وقت ہماری وجہ سے بہت تکلیف اٹھانی پڑی اور پھر بھی ہمیں کوئی گھوڑا پسند نہ آیا۔''

راؤ عبداللہ خاں صاحب کی نظر سے دَوِش کے سوار جب اوجھل ہو لیے تو واپس ہوئے اور کوٹھری کھولی۔ دیکھا کہ اعلحضرت نماز سے سلام پھیر چکے اور مصلّے پر مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند میں روپوش تھے۔ ایک روز زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں۔ زینہ میں آکر فرمایا ''پردہ کرلو میں باہر جاتا ہوں'' عورتوں سے رُک نہ سکے باہر چلے گئے۔

جارہے تھے کہ دَوِش راستہ میں ملی۔ آپ ہی کی گرفتاری میں تھی۔ خدا کی شان ہے کہ ایک شخص نے آپ ہی سے پوچھا کہ ''مولوی محمد قاسم کہاں ہیں؟'' آپ نے ایک قدم آگے بڑھا کر پچھلے پاؤں کی جانب نظر ڈالی اور فرمایا ''ابھی تو یہاں تھا'' یہ فرما کر آپ آگے چلے گئے اور دَوِش نے مکان پر جاکر تلاشی لی۔ آخر ناکام واپس ہوئے۔

ہرچند کہ یہ حضرات حقیقتاً بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی ومفسد اور مجرم و سرکاری خطاوار ٹھہرا رکھا تھا۔ اس لئے گرفتاری کی تلاش تھی مگر حق تعالیٰ کی حفاظت برسر تھی اس لئے کوئی آنچ نہ آئی۔

اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے۔ ہاں چندروز کی تفریق بین الاحباب مقدر تھی وہ اٹھانی تھی سو اٹھائی۔

اور اس ضمن میں کرامات وخوارق عادات، غیبی حفاظت کے سامان اور سچائی ثابت ہونے

کے اسباب ظاہر ہوئے۔ اس قصہ کے بعد مولانا مسجد میں رہتے اور کوئی کسی قسم کا تعرض نہ کرتا تھا۔

حضرت امام ربانی، قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کو اس سلسلہ میں امتحان کا بُرا مرحلہ طے کرنا تھا اس لئے گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں بھی رہے۔ آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش و چھان بین سے کالشّمس فی نصف النھار ثابت ہوگیا کہ:

آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے اس وقت رہا کیے گئے اور آپ بخیر و عافیت وطن مالوف کو واپس آئے۔

گرفتاری وحوالات اور رہائی و براءت

دردِ دل کا ہائے درماں لے چلے　　باغِ دیں کا ابر نیساں لے چلے
ڈال کر عالم کو چاہِ حزن میں　　یوسفِ ثانی کو زنداں لے چلے

اعلیٰحضرت سے رخصت ہو کر امام ربانی گنگوہ واپس ہوئے تو نہایت درجہ محزون و مغموم۔ اس وقت سیکڑوں افواہیں رات دن میں مشہور ہوتیں اور ہزاروں جھوٹی سچی گپ شپ اڑا کرتی تھیں۔ جدھر جایئے یہی تذکرہ کہ آج فلاں رئیس پھانسی دیا گیا اور فلاں شخص قتل کیا گیا اور جہاں دیکھئے یہی ذکر مذکور کہ وہ باغی سمجھا گیا اور اس کو بجرم فساد سولی چڑھایا گیا۔ وہ روپوش ہے اور اس کی تلاش ہے۔ غرض ایسی گھبراہٹ کا گھمسان تھا کہ ہر عورت کو بیوہ ہو جانے کا ہر وقت خطرہ تھا اور ہر بچہ کو قدم قدم پر یتیم بن جانے کا اندیشہ و غم۔

حضرت مولانا کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ آپ کا نام بھی مشتبہ اور قابل اخذ مجرموں کی فہرست میں درج ہو چکا ہے اور آپ کی گرفتاری و تلاش میں دِوش آیا چاہتی ہے مگر آپ کوہِ استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ:

میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ (ص:۷۳ تا ص ۸۰۔ حصہ اول تذکرۃ الرشید از مولانا

عاشق الٰہی میرٹھی۔ مکتبہ خلیلیہ متصل مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور)

گرفتاری کے بعد مولانا گنگوہی چھ ماہ تک مظفر نگر جیل میں رکھے گئے پھر رہائی ہوئی۔ یہاں کے حالات کے بارے میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:

''آپ نے کبھی کوئی کلمہ دبا کر یا زبان کو موڑ کر نہیں کہا۔ کسی وقت جان بچانے کے لئے تقیہ نہیں کیا۔ جو بات کہی سچ کہی۔ جس بات کا جواب دیا خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر بالکل واقع کے مطابق اور حقیقت حال کے موافق۔

کبھی آپ سے سوال ہوا کہ رشید احمد! تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا اور فساد کیا؟ آپ جواب دیتے۔ ہمارا کام فساد کا نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی۔

کبھی دریافت ہوتا کہ تم نے سرکار کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے؟ آپ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ۔ ہمارا ہتھیار تو یہ ہے۔

کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تم کو پوری سزا دیں گے۔ آپ فرماتے! کیا مضایقہ ہے مگر تحقیق کر کے۔

ایک مرتبہ حاکم نے پوچھا کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا! کچھ بھی نہیں مگر زمین داری۔

غرض حاکم نے ہر چند تحقیق کیا اور تجسس و تفتیش میں پوری کوشش صرف کر دی مگر کچھ ثابت نہ ہوا۔ اور ہر بات کا معقول جواب پایا۔ آخر بری کیے گئے اور فیصلہ سنا دیا گیا کہ۔ رشید احمد رہا کیے گئے۔ (ص:۸۵۔ حصہ اول تذکرۃ الرشید۔ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

پہلی بار تحریری طور پر اس واقعۂ شاملی اور گرفتاری و رہائی کا رنگ سوانحِ قاسمی از مولانا مناظر احسن گیلانی کے ذریعہ کچھ کا کچھ ہوا جس کا خلاصہ بحوالۂ سوانحِ قاسمی جلد دوم یہ ہے:

''سہارن پور میں ایسا افسوسناک واقعہ پیش آیا جس نے عام مسلمانوں کو مشتعل کر دیا۔ مسٹر سپنکی جو سہارن پور میں کلکٹر تھا، تھانہ بھون کے رئیس

قاضی عنایت علی کے بھائی قاضی عبدالرحیم کسی ضرورت سے ہاتھی خرید نے گئے تو کسی دشمن نے مخبری کی کہ قاضی عبدالرحیم تھانوی دہلی کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خرید نے سہارن پور آیا ہوا ہے۔ اس وقت انگریز بوکھلائے ہوئے تھے۔ اسپنکی نے لوگوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے واقعہ کی تحقیق و تفتیش کیے بغیر قاضی عبدالرحیم کو گرفتار کر کے مع ان کے ساتھیوں کے برسرِ عام پھانسی دے دی۔ اسی وحشت ناک خبر سے سہارن پور کے اطراف وجوانب میں ہیجان پھیل گیا۔

تھانہ بھون میں حضرت حاجی صاحب و حضرت حافظ محمد ضامن صاحب وحضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی وحضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی و حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی جامع مجاہدین تھے کہ وعظ و پند وترغیب سے مجاہدین کو مواضع و دیہات و قصبات سے جمع کر کے میدان میں لائیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ امیر عسکر تھے۔

تھانہ بھون کے قریب ترین مقام قصبہ شاملی کی تحصیل پر جس میں انگریزی فوج متعین تھی، حملہ کر دیا گیا۔ حضرت حافظ ضامن صاحب، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا منیر حسن صاحب نانوتوی نے شاملی کے میدان جنگ میں خوب دادِ شجاعت دی۔ حافظ محمد ضامن صاحب نے عین معرکہ کے دوران جام شہادت نوش کیا۔ اگرچہ تحصیل پر مجاہدین کا قبضہ ہوگیا مگر حضرت حافظ ضامن صاحب کی شہادت کے بعد مجاہدین تھانہ بھون واپس چلے گئے۔ یہ واقعہ ۱۴رستمبر ۱۸۵۷ء کا ہے۔ (ص:۱۰۴و۱۰۵۔ سوانح حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی۔ ناشر مدرسہ اسلامیہ نور محمدیہ، قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر ۔یوپی۔ مرتبہ نسیم احمد علوی جھنجھانوی۔ طبع چہارم ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

اس کتاب کی ۱۹۵۵ء میں ترتیب ہوئی اور طبع اول کے بعد کے ایڈیشن
میں حذف واضافہ ہوتا رہا)

اس واقعہ شاملی کو ۱۹۵۳ء میں مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ العلماے ہند نے لکھا تو وہ اس طرح منظّم ومنصوبہ بند ہو گیا۔

''پھر جہاد کی تیاری شروع ہو گئی اور اعلان کر دیا گیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو امام مقرر کیا گیا۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سپہ سالارِ افواج قرار دیا گیا۔ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو قاضی بنایا گیا۔ اور مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب تھانوی کو میمنہ میسرہ (دائیں اور بائیں) کا افسر قرار دیا گیا۔'' (ص:۵۷۔ حصہ دوم۔ نقش حیات۔ مکتبہ دینیہ دیوبند)

مولانا مناظر احسن گیلانی نے یقینی بات جو لکھی وہ یہ ہے:

> ''اتنی بات بہر حال یقینی ہے اور ان ناقابلِ انکار چشم دید گواہیوں کا کھلا اقتضاء ہے کہ مالیخولیا سے زیادہ اس قسم کی افواہوں کی کوئی قیمت نہیں ہے کہ ہنگامہ کے برپا کرانے میں دوسروں کے ساتھ سیدنا الامام الکبیر (مولانا نانوتوی) اور آپ کے دینی وعلمی رفقاء کے بھی ہاتھ تھے۔ بلکہ واقعہ وہی ہے جو مصنفِ امام (مولانا گنگوہی) نے لکھا ہے کہ —— مولانا فساد سے کوسوں دور تھے۔'' (ص:۱۰۹۔ سوانح قاسمی جلد دوم از مولانا مناظر احسن گیلانی)

۱۹۵۷ء میں جب کہ ہندوستان کے اندر سو سالہ جنگ آزادی (از ۱۸۵۷ء) کا جشن منایا جانے والا تھا اس وقت مولانا سید محمد میاں نے چار جلدوں پر مشتمل ''علماے ہند کا شاندار ماضی'' لکھا تو اس کی چوتھی جلد میں قصبہ شاملی وتھانہ بھون کے واقعہ کو اتنا زبردست تاریخی معرکہ بنا دیا گیا اور پھر بعد کی کتب ورسائل اور مقالات ومضامین میں اس کے اندر اتنی رنگ آمیزی ومبالغہ آرائی ہوئی کہ سب نے مل جل کر اسے ''پانی پت'' کی فیصلہ کن جنگ بنا دی۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ بر تقدیر صحتِ واقعہ بھی مذکورہ علماء کا جنگی کردار اور ان کی جھڑپ محض ایک محدود اور مقامی نوعیت کی ہے۔ اس کی وہ حیثیت ہرگز نہیں جو بڑے فخر ومباہات کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ ایسے ہی موقع

کے لئے کسی شاعر نے کہا ہے کہ:

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کے لئے

مولانا سید محمد میاں لکھتے ہیں کہ — ''شاملی کی طرف اقدام کا ایک دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ مہار سنگھ رئیس شاملی نے جو علم آزادی بلند کیا تھا اس کو کمک کی شدید ضرورت تھی۔''

اور پھر حاشیہ میں یہ ایک تاریخی حوالہ نقل کرتے ہیں جس سے سارا واقعہ اور اصل حقیقت سمجھ کر نتیجہ نکالنا اور فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

''انگریز مصنف ''میلی سن'' اپنی تاریخ کی جلد ششم ص:۱۲۴ پر تحریر کرتا ہے:

شاملی میں ایک ہندو زمین دار مہار سنگھ نے ہنگامہ برپا کیا تھا اور خط و کتابت کر کے دربارِ دہلی سے تعلقات قایم کر لیے تھے۔ انگریز اس کو دبا نہ سکتے تھے۔ البتہ شاملی کو کھلم کھلا بغاوت سے محفوظ رکھا۔ شاملی جو آج کل ضلع مظفر نگر کی ایک سب ڈویژن (تحصیل) کا ہیڈ کوارٹر ہے اس زمانہ میں سہارن پور سے متعلق تھا۔ حاکم سہارن پور اسپنکی (Spankee) صاحب نے اس کی پوزیشن مضبوط رکھنے کے لئے گورکھا فوج کا ایک دستہ بھیج دیا۔ ایڈورڈز (اس مقام کے فوجی کمانڈر) نے گورکھوں کی مدد سے شاملی میں مکمل قبضہ کر لیا۔ ایک مسلمان وفادار ابراہیم خاں کے ماتحت تھوڑی سی فوج شاملی چھوڑی اور ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو خود آگے روانہ ہو گیا۔

قاضی عنایت علی اور ان کے ساتھیوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر شاملی پر حملہ بول دیا۔ تقریباً ایک سو تیرہ فوجیوں کے نقصان کے بعد ابراہیم خاں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔

ایڈورڈز واپس ہوا تو شاملی کی حالت دیکھ کر جہاں ایک سو تیرہ فوجی کام آ چکے تھے بہت غصہ میں آیا مگر اس وقت مظفر نگر کی حالت بہت خراب تھی۔ وہاں چلا گیا۔ پھر کپتان اسمتھ اور لفٹننٹ کیول روس کی زیرِ کمان سکھوں اور گورکھوں کی فوج تھانہ بھون بھیجی۔ مجاہدین نے اسے بھگایا۔ دوبارہ کرنل ڈنلاپ کی سرکردگی میں فوج بھیجی گئی جس نے پہلے تھانہ بھون پھر شاملی پر قبضہ کر کے ان کو تباہ و برباد کیا۔ (۱۸۵۷ء کے مجاہد ۱۶۷)۔ (ص:۲۷۵۔ جلد چہارم۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی از مولانا سید محمد میاں۔ مطبوعہ کتابستان دہلی ۶)